دانش و گنجینه پنداری یکے ست　　حق نہاں داد آں چہ پیدا خواستیم

پنداری اور گوئی اور گویا کے ایک معنی ہیں۔ کہتا ہے کہ علم اور خزانہ گویا ایک ہی چیز ہیں، کیونکہ جو چیز ہمنے علانیہ مانگی۔ یعنی دولت۔ وہ خدانے ہمکو پوشیدہ طور پر دی یعنی علم و ہنر۔

رفت و باز آمد ہما در دامِ ما　　باز سر دادیم و عنقا خواستیم

کہتا ہے کہ ہما ہمارے دام میں پھنس کر نکل گیا تھا پھر آن پھنسا، اب چاہئے تھا کہ اُسکی زیادہ نگرانی کرتے اور اُسکو نکلنے نہ دیتے، مگر ہمنے اُسکو خود چھوڑ دیا اور عنقا کی خواہش کی۔ ہما سے مراد دولتِ دنیا، اور عنقا سے مراد احدیتِ ذات۔

وحشتے در سفر از برگِ سفر داشتہ ایم　　توشۂ راہ۔ دلے بود کہ بر داشتہ ایم

داغِ احسانِ قبولی لِیمانش نیست　　ناز بر خرّمیِ بختِ ہنر داشتہ ایم

قبولی اور قبول ایک معنی میں آتا ہے۔ خرّمیِ بختِ ہنر یعنی سرسبزیِ بختِ ہنر۔ کہتا ہے کہ ہمکو اپنے ہنر کی خوش نصیبی پر ناز ہے کیونکہ اُسپر کمینوں کی قبولیت کے احسان کا داغ نہیں ہے۔ یہاں خرّمیِ بخت کا لفظ استہزاءً ناسازیِ بخت پر بولا گیا ہے۔

زخمِ جگرم بخیہ و مرہم نہ پسندم　　موجِ گہرم جنبش و رفتار ندانم

یعنی جس طرح زخمِ جگر تک بخیہ و مرہم کی رسائی نہیں ہے اور آبِ گوہر کی موج میں جنبش و رفتار نہیں ہے؛ ایسا ہی میرا حال ہے۔ یعنی نہ کسی کو میرے درد کی خبر ہے، نہ میرے کمال کی اطلاع۔

نقدِ خردم۔ سکۂ سلطاں نپذیرم　　جنسِ ہنرم گرمیِ بازار ندانم
غالب نبود کوتہی از دوست۔ ہمانا　　زاں ساں دہدم کام کہ بسیار ندانم

یعنی وہ اس طرح حاجت روائی کرتا ہے کہ اکثر مجھکو شعور نہیں ہوتا کہ کیونکر یہ کام بنگیا۔

ذیل کی غزل نواب مصطفےٰ خاں مرحوم کے مکاں پر جو مشاعرہ ہوتا تھا اُسمیں پڑھی گئی تھی۔ چونکہ دلی کے تمام نامور شعرا کا۔ جو وہاں فارسی غزلیں لکھکر لیجاتے تھے۔ مرزا نے اس غزل میں ذکر کیا ہے اور غزل بھی نہایت فصیح ہے اس لئے بطور یادگار کے ساری غزل یہاں نقل کیجاتی ہے۔

ہا پریِ چہرۂ غزالاں رمِ شاں　　دلِ مردم بخمِ طرّۂ خم در خمِ شاں
(یعنی زہے پری چہرہ غزالاں)
کافرانند جہاں جوے۔ کہ ہرگز نبود　　طرّۂ حور دلاویز تر از پرچمِ شاں
آشکارا کُشِ و بدنام بنکو نامی جوے　　آہ ازیں طائفہ۔ وانکس کہ بود محرمِ شاں
رشک بر تشنۂ تنہا رو وادی دارم　　نہ بر آسودہ دلانِ حرم و زمزمِ شاں
بگذر از خستہ دلانے کہ ندانی۔ ہشدار　　خستگانند کہ دانی و نداری غمِ شاں

یعنی اُن مصیبت زدوں کو جانے دے جنکو تو نہیں جانتا، مگر خبردار رہ کہ بہت سے ایسے آفت زدہ ہیں جنکو تو جانتا ہے مگر اُن کا کچھ غم تجھکو نہیں۔

داغِ خوں گرمیِ ایں چارہ گرانم گوئی　　آتش است آتش اگر پنبہ و گر مرہمِ شاں
(محبت و ہمدردی)
ایکہ راندی سخن از نکتہ سرایانِ عجم　　چہ بامنتِ بسیار نہی از کمِ شاں
ہند را خوش نفسانند سخنور۔ کہ بود　　باد در خلوتِ شاں مشک فشاں از دمِ شاں
(یعنی خوش نفساں سخنور اند)
مومن و نیّر و صہبائی و علوی۔ وانگاہ　　حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظمِ شاں
غالبِ سوختہ جاں گرچہ نیرزد بشمار　　ہست در بزمِ سخن ہمنفس و ہمدمِ شاں

مومن یعنی حکیم مومن خاں۔ جنکے دیوان اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں موجود ہیں۔ نیّر۔ یعنی نواب ضیاء الدین احمد خاں رئیس لوہارو۔ جنکا کلام دونو زبانوں میں بقدر معتدبہ موجود ہے مگر کوئی دیوان مرتب نہیں ہوا۔ **صہبائی**۔ یعنی مولانا امام بخش۔ جنکی نظم و نثرِ فارسی اور دیگر رسائل اور شروح تین جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ **علوی** مولانا عبداللہ خانِ علوی اُستادِ مولانا صہبائی۔ جنکی نظم و نثرِ فارسی چھپ چکی ہے؛ اور عربی میں بھی اُنکے قصائد موجود ہیں۔ **حسرتی**۔ نواب محمد مصطفےٰ خاں رئیسِ جہانگیر آباد۔ جنکے دیوان اردو و فارسی دونو زبانوں میں چھپ چکے ہیں؛ اور اِنکے سوا سفر نامۂ حج، تذکرۂ گلشنِ بیخار، اور رقعات فارسی بھی اُنکی تصانیف سے شائع ہو چکی ہیں۔ **آزردہ** مولانا مفتی محمد صدر الدین خاں جنکا کلام اُردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں موجود تھا مگر افسوس ہے کہ اُسمیں سے بہت کچھ ضائع ہو گیا ہے۔ لیکن بعض مذہبی رسالے جو اُن سے یادگار رہگئے ہیں شائع ہو چکے ہیں۔

تازہ دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن
ایں مے از قحطِ خریداری کہن خواہد شدن

کوکبم را در عدم اوجِ قبولے بودہ است
شہرتِ شعرم بہ گیتی بعدِ من خواہد شدن

مطرب از شعرم بہ بزمے کہ خواہد زد نوا
چاک ہا اِتیار جیبِ پیرہن خواہد شدن

حرف حرفم در مذاقِ فتنہ جا خواہد گرفت
دستگاہِ نازِ شیخ و برہمن خواہد شدن

کہتا ہے کہ میرا ایک ایک حرف مذاقِ فتنہ میں جگہ پائیگا۔ یعنی فتنہ کو پسند آئیگا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ برہمن اُسکو اپنے موافق سمجھے گا اور شیخ اپنے موافق خیال کریگا؛ اور دونوا اپنی اپنی جگہ اُسپر فخر کرینگے، اور ایک دوسرے کو جھٹلائینگے؛ اور آپس میں گل خپ ہونگے۔

ہے چہ می گویم؟ اگر اینست وضعِ روزگار
دفترِ اشعار بابِ سوختن خواہد شدن

اُس سے پہلے بطورِ فخر کے کہا تھا کہ یوں ہوگا اور وُوں ہوگا؛ پھر کہتا ہے کہ ہے ہے میں کیا کہتا ہوں؟ اگر زمانے کا حال ایسا ہی رہا تو دفترِ شعر بابِ سوختن یعنی جلا دینے کے لائق ہو جائیگا۔

چشمِ کور آئینہ دعویٰ بکف خواہد گرفت
دستِ شل مشاطۂ زلفِ سخن خواہد شدن

شاہدِ مضموں کہ اینک شہریِ جان و دلست
روستا آوارۂ کام و دہن خواہد شدن

یعنی آیندہ یہ حال ہوگا کہ شاہدِ مضموں جو اَب جان و دل کے شہر میں مقام رکھتا ہے وہ کام و دہن کے دیہات میں آوارہ ہو جائیگا۔ یعنی جن اشعار اور خیالات میں اب نہایت دقیق اور گہری نگاہ سے غور کیجاتی ہے وہ صرف لوگوں کی زبانوں پر رہجائینگے اور اُنکی تہ کو کوئی نہ پہنچیگا۔

زاغ زاغ اندر ہوائے نغمہ بال و پر زناں
ہم نوائے پردہ سنجانِ چمن خواہد شدن

جنگلی کوّے (یعنی تک بندی کرنے والے شاعر) نغمہ سنجی کی ہوا میں پنکھ پسارے ہوئے چمن کے نغمہ سنجوں (یعنی عالی درجہ شاعروں) کی برابری کرینگے۔

شاد باش ایدل دریں محفل کہ ہر جا نغمہ ایست
شیونِ رنجِ فراقِ جان و تن خواہد شدن

آب کہتا ہے کہ دنیا میں ان باتوں کا فکر کرنا بے سود ہے؛ یہ سب نغمے موزوں ہوں یا ناموزوں ایک دن موت کے نوحے بنجائیں گے۔

ہم فروغِ شمعِ ہستی تیرگی خواہد گزید
ہم بساطِ بزمِ ہستی پر شکن خواہد شدن

گرد بنیادِ وجود از رہگذر خواہد نشست
بحرِ توحیدِ عیانی موجزن خواہد شدن

کہتا ہے کہ ہستی کے دھوکے کا غبار جو راہ میں اُٹھا ہوا نظر آتا ہے یہ سب بیٹھ جائیگا یعنی سب فنا ہوجائیں گے اور توحید عیانی کا دریا موجزن ہوگا یعنی ذاتِ واحد کے سوا کچھ باقی نہ رہیگا۔

توحید

دولت بغلط نبود از سعی پشیماں شو　　　　کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو

کافر مسلمان

کہتا ہے کہ دولت یعنی سعادت کبھی غلطی نہیں کرتی، وہ اُسی کے پاس جاتی ہے جو اُسکے لائق ہوتا ہے۔ پس تو اے مخاطب اپنی سعی سے پشیماں ہو۔ اور وہ دولت کیا ہے؟ کافر ہونا۔ کہتا ہے کہ تو کافر تو نہیں ہوسکتا لاچار مسلمانی پر قناعت کر۔ غالباً مرزا نے کفر سے وہ کفر مراد لیا ہے جو صوفیۂ کرام کی اصطلاح کے موافق ایک بڑا مرتبہ مراتبِ فقر و درویشی میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن قطع نظر ان معنوں کے اِس شعر کے ایک اور معنی نہایت لطیف و پاکیزہ زمانے کے حسبِ حال بھی ہوسکتے ہیں۔ جو شاید شعر کہتے وقت مرزا کے خیال میں نگذرے ہوں، مگر ضرور ہے کہ انھیں کے نتائج افکار میں شمار کئے جائیں۔ کیونکہ بلغا اکثر کلام کی بنیاد ایسے جامع اور حاوی الفاظ پر رکھتے ہیں کہ گو قائل کا مقصود ایک خاص معنی سے زیادہ نہو مگر کلام اپنی عمومیت کے سبب بہت سے محمل رکھتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا مسلمان ہونا جسکو سارا زمانہ مسلمان کہے اور مسلمان سمجھے۔ یہ تو بہت آسان ہے، مگر قوم کی بھلائی کی وہ تدبیریں کرنی۔ کہ اُسکی بھلائی اُنکے بغیر دشوار معلوم ہو۔ اور اُن تدبیروں کے اختیار کرنے میں لوگوں کے طعن و تشنیع سے نہ ڈرنا۔ یہاں تک کہ بدمذہب اور کافر مشہور ہونا مگر قوم کی خیر اندیشی سے دست کش نہونا۔ نہایت دشوار بلکہ بعض حالتوں میں قریب ناممکن کے ہے، کہ ہزاروں اور لاکھوں میں نہیں بلکہ کروروں میں ایسا ایک فرد دنیا کی عجائبات میں سمجھا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ایسا کافر بننا تو بہت مشکل ہے، ناچار مسلمانی پر اکتفا کر، یہ معنی

کسی کے ذہن نشین کرنے نہایت مشکل تھے، مگر الحمد للہ کہ خود ہماری قوم میں حسنِ اتفاق سے اِسوقت ایک شخص موجود ہے جسکی حالت پر نظر کرنے کے بعد اس شعر کے کوئی دوسرے معنی ان معنوں سے زیادہ چسپاں نہیں معلوم ہوتے۔ یعنی ڈاکٹر سر سید احمد خاں جسنے کافر، ملحد، نیچری، دجّال، سب کچھ کہلوانا منظور کیا مگر قوم کی خیر خواہی سے دست بردار نہوا۔

از ہرزہ رواں گشتن قلزم نتواں گشتن　　　　جوئی! بخیاباں رو سیلی! بہ بیاباں شو

ہرزہ یعنی بے سرانجام جاری ہوجانے سے قلزم نہیں ہوا جا سکتا۔ اے مخاطب تو ایک نالی ہے باغ کی کیاریوں میں جا، اور ایک رَو ہے جنگل کی راہ لے۔ یہ اُن ناقص العیار لوگوں کی طرف خطاب ہے، جو کسی فن میں تھوڑی سی شُد بُد حاصل کرکے اپنے تئیں کاملین میں شمار کرنے لگتے ہیں۔

گر چرخِ فلک گردی سر بر خطِ فرماں نہ　　　　ور گوے زمیں باشی وقفِ خمِ چوگاں شو

اطاعت

یعنی تو کیسا ہی عالی رتبہ اور گرانمایہ ہوجائے اطاعت و فرمانبرداری کرنی ضرور ہے چاہو طاعت کو عام لو اور چاہو خاص خدا کی فرمانبرداری مراد رکھو کیونکہ جس طرح دین میں بغیر خدا اور رسول کی فرمانبرداری کے کام نہیں چلتا اسی طرح دنیا میں سلاطین و ملوک اور ماں اور باپ اور افسر اور آقا وغیرہ کی اطاعت کے بغیر کچھ بن نہیں آتی۔

در بندِ شکیبائی مُردم ز جگر خائی　　　　اے حوصلہ تنگی کن۔ اے غصہ فراواں شو

کہتا ہے کہ صبر کے شکنجے میں میں کلیجہ مسوستا مسوستا مر گیا یعنی تھک گیا۔ اب سوا اسکے اور کسی طرح اس بلا سے چھٹکارا نہیں کہ حوصلہ تنگی کرنے لگے اور غم حد سے بڑھ جائے۔ پس کہتا ہے کہ اے حوصلے تو جیسا کہ اب تک فراخ اور وسیع رہا ہے اب برخلاف اُسکے تنگ ہوجا؛ اور اے غم! تو زیادہ ہوجا۔

تاکہ مجھسے ضبط نہو سکے، اور گُھل کھیلوں، اور اس جگرخواری کے عذاب سے نجات پاؤں.

سرمایہ کرامت کن وانگاہ بغارت بر　　　　برخرمنِ ما برقے بر مزرعہ باراں شو

اگرچہ ہوتا ہمیشہ یہی ہے کہ اول سرمایہ دیتے ہیں پھر جب چاہتے ہیں اُسکو تباہ کردیتے ہیں مگر شاعر بطور مبالغہ کے یہ جتاتا ہے کہ ہماری کھیتی پر مینھ تو کبھی نہیں برساتا مگر خرمن پر بجلی گراتا رہتا ہے۔ انسان کی ایک قدرتی خاصیت ہے کہ مصیبتوں کے وقت نعمتوں کو بالکل فراموش کردیتا ہے اسی خاصیت پر شاعر نے شعر کی بنیاد رکھی ہے.

ذیل کی غزل مسلسل اور محض عاشقانہ ہے جس میں معشوق کی خصلتیں بیان کی ہیں، اور اسکو بہادر شاہ کی تعریف اور شکایتِ ظریفانہ پر ختم کیا ہے۔ اِس غزل میں صرف حسنِ بیان کا لطف ہے، خیالات بلند نہیں ہیں.

بتے دارم از اہلِ دل رم گرفتہ　　　　بشوخی دل از خویشتن ہم گرفتہ

دل گرفتن، اکتا جانا یعنی اِس قدر شوخ اور نازک مزاج ہے کہ اپنے آپسے سے بھی بگڑ جاتا ہے.

ز سفاک گفتن چو گل بر شگفتہ　　　　دریں شیوہ خود را مُسلّم گرفتہ

یعنی اگر کوئی اُسے سفاک کہتا ہے تو بُرا نہیں مانتا بلکہ خوش ہوتا ہے گویا اپنی سفاکی کو مسلّم الثبوت مانے ہوئے ہے.

فسوں خواندہ و کارِ عیسے نمودہ　　　　پری بودہ و خاتم از جم گرفتہ

یعنی افسوں سے معجزے کا کام لیتا ہے اور پری ہوکر جمشید کی انگوٹھی چھین لیتا ہے.

دمش زخنہ در زہدِ یوسف فگندہ　　　　غمش گندم از دستِ آدم گرفتہ

دم سے مراد بات ہے دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ اُسکے غم میں آدم کو گندم جیسی عزیز چیز فراموش ہوجاتی ہے.

گہے طعنہ بر لحنِ مُطرب سرودہ　　　　گہے خردہ بر نطقِ ہمدم گرفتہ

بہ بیداد صد کشتہ برہم نہادہ　　　　ببازیچہ صد گونہ ماتم گرفتہ

یعنی آپ ہی مارتا ہے اور آپ ہی بطور کھیل کے ماتم کرتا ہے.

بروئیش ز گرمیِ نگہ تاب خوردہ　　　　بکوئیش ز رفتن صبا دم گرفتہ

نیارد ز من ہیچ گہ یاد ہرگز　　　　مگر خوے خاقانِ اعظم گرفتہ

ظفر کز دمِ اوست در نکتہ سنجی　　　　کہ غالب بآوازہ عالم گرفتہ

یہاں دم کے معنی افسون اور کرامت کے ہیں تقدیرِ عبارت یوں ہے کہ غالب در نکتہ سنجی بآوازہ عالم گرفتہ.

چوں زبانہا لال و جانہا پُر ز غوغا کردۂ　　　　بادیت از خویش پرسید انچہ با ما کردۂ

یہ تمام غزل توحید میں ہے. کہتا ہے جبکہ تونے ہماری زبانیں گونگی کردی ہیں اور باوجود اسکے جانوں کے اندر شورش بھردی ہے۔ اب تو اپنے ہی سے پوچھ لے کہ تونے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے.

گر نہ مشتاقِ عرضِ دستگاہِ حسنِ خویش　　　　(جاں فدایت) دیدہ از بہرِ چہ بینا کردۂ

ہفت دوزخ در نہادِ شرمساری مضمر است　　　　انتقام ست ایں کہ با مجرم مدارا کردۂ

کہتا ہے کہ شرمندگی وہ عذاب ہے جسکی نہاد یعنی ذات میں ساتوں دوزخ چھپی ہوئی ہیں. پس اگر

تونے گنہگار کے ساتھ مدارا یعنی رعایت کی اور اُسکو بخش دیا تو یہ عین انتقام ہے؛ وہ اِس شرمندگی سے۔ کہ باوجود اِس قدر گناہوں کے ہمکو کچھ سزا نہیں دی۔ گویا ساٹ دوزخوں میں جھونک دیا گیا۔

صد کشاد آنرا کہ ہم امروز رنج بیمودہٗ | مژدہ باد آں را کہ محو ذوق فردا کردہٗ
خستگاں را دل بہ پرشہای نہاں خوں دہٗ | با درستاں گر نوازشہائے پیدا کردہٗ

خستگاں۔ زخمی اور شکستہ دل لوگ یعنی جنکی حالت ز ازبظاہر ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا اُنپر خدا کا غصہ ہے۔ درست۔ صحیح وسالم کو کہتے ہیں؛ درستاں اُسکی جمع ہے یعنی وہ لوگ جنکی حالت درست اور ہر ایک خستگی اور شکستگی سے محفوظ ہے۔ گویا اُنپر خدا کی عنایت ومہربانی سب سے زیادہ ہے۔ کہتا ہے کہ اگر تونے درستوں پر ظاہری عنایتیں مبذول فرمائی ہیں تو زخمی دلوں کو پوشیدہ مہربانیوں سے مقبول کیا ہے۔

چشمۂ نوش ست از زہر عتابت کام جاں | تلخی مے در مذاقِ ما گوارا کردہٗ

خدا تعالے کے غصے اور عتاب کو چشمۂ نوش قرار دیتا ہے؛ اور اُسکو شراب سے تشبیہ دی ہے۔ کہ جس طرح شراب کا ذائقہ ہر شخص کو تلخ معلوم ہوتا ہے، مگر شرابیوں کے مذاق میں اُس سے زیادہ کوئی شے خوشگوار نہیں۔ اسی طرح تیرا عتاب گو بظاہر تلخ معلوم ہو مگر تیرے عشاق اُسکو چشمۂ نوش سمجھتے ہیں۔

جلوہ ونظارہ پنداری کہ از یک گوہرست | خویش را در پردۂ خلقے تماشا کردہٗ

کہتا ہے کہ تونے مخلوقات کو پیدا کرکے اُنمیں اپنے حسن کا آپ تماشا دیکھا ہے؛ تو گویا جلوۂ حسن اور نظارۂ عشق درحقیقت ایک ہی جنس سے ہیں یعنی ناظر اور منظور ایک چیز ہیں۔

چارہ در سنگ وگیاہ ورنج با جاندار بود | پیش ازاں کیں در رسد آنرا مہیا کردہٗ

کہتا ہے کہ بیماری تو جاندار کے ساتھ مخصوص تھی، اور بیماری کا علاج سنگ وگیاہ یعنی معدنیات اور نباتات میں تھا؛ پس تونے جانداروں کے پیدا کرنے سے پہلے سنگ وگیاہ کو مہیا کردیا۔ جیسا کہ علم جیولوجی میں پہاڑوں اور درختوں کا حیوان اور انسان سے پہلے پیدا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

دیدہ می گرید، زباں می نالد، و دل می تپد | عقدہ ہا از کارِ غالب سر بسر وا کردہٗ

مقطع میں پھر اپنی عادت کے موافق شوخی کی ہے۔ تمام ناملائم حالتوں کو جو قائل پر گذر رہی ہیں اُن کو از راہ شوخی اور طنز کے عمدہ پیرائے میں ڈھالا ہے۔ کہتا ہے کہ آنکھ روتی ہے، زباں فریاد کرتی ہے، اور دل تڑپتا ہے؛ گویا تمام عقدے تونے حل کردئیے ہیں۔ چونکہ آنکھ کا رونا، زبان کا فریاد کرنا، اور دل کا تڑپنا، اِن تینوں حالتوں میں ایک کشایش کی صورت محسوس ہوتی ہے اِس لئے اِن تمام حالتوں کو اپنے عقدوں کے حل کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ اگر اِس مضمون کو شوخی پر محمول نہ کیا جائے تو یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ عشق کی معراج یہی ہے کہ آنکھ رو سکے، زبان فریاد کرسکے، اور دل تڑپے؛ پس غالب پر جو یہ حالتیں طاری ہیں گویا عشق کی راہ میں جتنے عقدے تھے وہ تونے سب حل کردئیے۔

تا ہم زدل بُرد کافر ادائے | بالا بلندے کوتہ قبائے
چوں مرگِ ناگہ لبیار تلخے | چوں جانِ شیریں اندک وفائے
در کام بخشی ممسک امیرے | در دلستانی مُبرم گدائے
گستاخ سازے پوزش پسندے | طاقت گدازے صبر آزمائے
از خوے ناخوش دوزخ نہیبے | وز روئے دلکش مینو لقائے

زردشت کیشئے آتش پرستے   برسم گزارے زمزم سرائے

برسم - جھاؤ یا انار وغیرہ کی بالشت بالشت بھر کی لکڑیاں کاٹ کر آتش پرست رکھ لیتے ہیں، اور عبادت، یا نہانے، یا کھانے کے وقت اُن کو ہاتھ میں لے کر پڑھتے ہیں۔ برسم گزار اور زمزم سرائے آتش پرست کو کہتے ہیں۔ زمزم اور زمزمہ وہ دعا ہے جو آتش پرست برسم ہاتھ میں لیکر پڑھتے ہیں۔

در کینہ ورزی تفسیدہ دشتے   در مہربانی بستاں سرائے

تفسیدہ دشت تپتا ہوا صحرا - باقی شعر کے معنی صاف ہیں۔

از زلف پرخم مشکیں نقابے   از تابش تن زریں ردائے

یعنی زلف پرخم اُسکے چہرے پر ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے سیاہ نقاب مُنھ پر پڑی ہوئی ہو۔ اور جو کپڑا وہ بدن پر ڈالتا ہے وہ بدن کی چمک دمک سے سُنہری معلوم ہوتا ہے۔

در عرضِ دعوے لیلے نکوہے   بر رغم غالب مجنوں ستائے

یعنی جب دعوی حسن و جمال کرتا ہے تو لیلی کی ہجو کرتا ہے، اور غالب کے چڑانے کو مجنوں کی تعریف کرتا ہے کہ وہ بڑا عاشقِ صادق تھا۔

تو کے ز جور پشیماں شدی - چہ می گوئی   دروغِ راست نمائے کہ داشتی داری

یعنی تو جو یہ کہتا ہے کہ "میں ظلم سے پشیماں ہوگیا ہوں"، تو کب پشیماں ہوا ہے؟ کیونکہ وہ جھوٹ جو سچ معلوم ہو - جیسا تو پہلے بولتا تھا اب بھی بولتا ہے۔ پس تیرا یہ کہنا کہ میں ظلم سے پشیماں ہوں یہ بھی اُسی ظلم میں داخل ہے۔

بسینہ جوں جاں و در دل چو جاں خزیدی و باز   نگاہِ مہر فزائے کہ داشتی داری

کہتا ہے کہ تو سینے میں دل کی طرح اور دل میں جان کی طرح بیٹھ چکا ہے؛ پھر بھی تیری نگاہِ مہر فزا کا وہی حال ہے جو پہلے تھا، کہ محبت کی آگ بھڑکائے چلی جاتی ہے۔

عتاب و مہر تو از ہم شناختن نتواں   خرد فریب ادائے کہ داشتی داری

جہانیاں ز تو برگشتہ اند گر غالب   ترا چہ باک؟ خدائے کہ داشتی داری

بیہودہ نیست سعیِ صبا در دیارِ ما   اے بوئے گل پیامِ تمنائے کیستی

یادش بخیر تا چہ قدر سبز بودہ   اے طرفِ جویبار چمن جائے کیستی

جائے کسے سبز بودن - اُسکی جگہ کا خالی رہنا - اور سبز ہونے کے معنی سرسبز و شاداب ہونے کے بھی ہیں۔ طرف جویبار - کنارہ جویبار - چمن کی پٹری پر سبزہ دیکھکر کہتا ہے کہ اے کنارہ جویبار چمن! تو جو اس قدر سرسبز و شاداب ہے تو کس کی جگہ ہے۔ چونکہ وہاں معشوق کو نہیں پایا اس لئے بطور شگون نیک کے اول یادش بخیر کہکر پھر سوال کرتا ہے۔

نشنیدہ لذتِ تو فرومیرد و بدل   اے حرف! محوِ لعلِ شکر خائے کیستی

از ہیچ نقشِ غیرِ نکوئی ندیدہٗ   اے دیدہ محوِ چہرۂ زیبائے کیستی

بایں ہیچ کافرایں ہمہ سختی نمیرود   اے شب بمرگِ من کہ تو فردائے کیستی

بمرگِ من - یعنی اے شب تجھکو میری موت کی قسم، چونکہ اُس وقت اپنی موت سے زیادہ کسی چیز کو عزیز نہیں سمجھتا اس لئے رات کو اپنی موت کی قسم دے کر پوچھتا ہے کہ تو کسکی فردائے قیامت ہے؟ یعنی جو سختی کہ تجھ میں میرے اوپر گذر رہی ہے کسی کافر کے ساتھ نہ گذرتی ہوگی۔ پھر تو کافر سے بھی بڑھکر کونسے گنہگار کی قیامت کا دن ہے؟ بتا تو سہی!

غزل مسلسل عاشقانہ

ایکہ گفتم ندہی داد دل، آرے ندہی
تا چو من دل بہ مغان شیوہ نگارے ندہی

چشمہ نوش ہما نا نتراود ز دِلے
کش نگیریؔ و در اندیشہ فشارے ندہی

کہتا ہے کہ اُس دل سے یقیناً چشمہ نوش نہیں ٹپک سکتا جباوکہ تو بھینچکر تصور میں فشار ندیوے۔ یعنی جب تک کہ دل عشقِ مجازی کے صدمے نہیں جھیلتا اور طرح طرح کی کوفت اسمیں نہیں اٹھاتا اسمیں صفائی اور لطافت اور گھلاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

ماہ و خورشید دریں دائرہ بیکار نیند
تو کہ باشی؟ کہ بجز زحمتِ کارے ندہی

اور وہ کام یہی ہے کہ عشق کے شکنجے میں دل کو فشار دیا جاوے۔

سر براہِ دمِ شمشیر جوانی نہ سہی
تن بہ بندِ غمِ فتراکِ سوارے ندہی

خوں بذوقِ غمِ یزداں نشناسے نخوری
دیں بمہرِ حقِ الفت مگذارے ندہی

یزداں نشناس، اور حقِ الفت مگذار، دونوں مرکب صفتیں ہیں۔ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

آخرِ کار نہ پیداست؟ کہ در تن فسرد
کفِ خونے کہ بداں زینتِ دارے ندہی

فسرد فسردن کا مضارع ہے۔ فسردن ٹھٹھر جانا خشک ہو جانا۔ یعنی کیا یہ بات ظاہر نہیں ہے؟ کہ جو خون جس سے تو کسی صلیب کو رنگین نکریگا مرنے کے بعد بدن میں خشک ہو کر رہجائیگا۔

حیف گر تن بسگان سرِ کوئے نرسد
وائے گر جاں بسر رہگذارے ندہی

رہزنانِ اجل از دستِ تو ناگاہ برند
نقدِ ہوشے کہ بسودائے بہارے ندہی

بخمِ طرّۂ حورانِ بہشت آویزند
نازپرور دہ دلے را کہ بیارے ندہی

گر تنزل نبود، ابرِ بہاری غالب
گہ در افشانی و زر افشاندہ شمارے ندہی

یعنی اگر اس کہنے میں تیری کسرِ شان نہو تو اے غالب تیری مثال ابرِ بہاری کی سی ہے کہ موتی برساتا ہے اور اُنکی گنتی نہیں بتاتا یعنی بے شمار موتی برساتا ہے۔

تصوف

دریا ز حباب آبلہ پاے طلبست
نورِ نظرِ اے گوہرِ نایاب کجائی

شورست نوا ریزیِ تارِ نفسم را
پیدا نۂ اے جنبشِ مضراب کجائی

یعنی میرے تارِ نفس سے جو نغمے نکل رہے ہیں انھوں نے ایک شور برپا کر رکھا ہے، مگر اے جنبشِ مضراب کہ جس سے یہ تار بج رہا ہے تو کہاں ہے؟ تیرا کہیں پتا نہیں۔

بنماے بہ گوسالہ پرستاں یدِ بیضا
غالب بہ سخن صاحبِ فرتاب کجائی

فرتاب کرامت اور معجزے کو کہتے ہیں۔ گوسالہ پرستوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو ناقص العیار شاعروں کو مانتے ہیں۔

تصوف

دیدہ ور آنکہ تا نہد دل بشمارِ دلبری
در دلِ سنگ بنگرد رقصِ بتانِ آزری

دیدہ ور یعنی صاحبِ نظر وہ شخص ہے کہ جب اسکو یہ خیال پیدا ہو کہ دنیا میں کون سی چیزیں دلکش و دلربا ہیں تو وہ انگھڑ پتھر کے اندر بتانِ آزری کو رقص کرتے ہوئے دیکھ لے یعنی مادّے میں جو قابلیت اور استعداد خدا نے ودیعت کی ہے وہ پہلے اس سے کہ قوت سے فعل میں آئے اسپر ظاہر ہو جائے۔

تصوف

اے تو کہ ہیچ ذرّہ را جز برہِ تو روی نیست
در طلبت تواں گرفت بادیہ را براہبری

یہ خطاب ہے جنابِ احدیت کی طرف۔ کہتا ہے کہ جس ذرّے کو دیکھئے اُسکا منھ تیرے ہی رستے کی طرف پھرا ہوا ہے اور اس لئے تیری راہ طلب میں خود بادیہ یعنی صحرا کو اپنا رہبر بنایا جا سکتا ہے کیونکہ اُسکا ہر ذرّہ تیری طرف رہنمائی کرتا ہے۔

تصوف

ہرکو لست در برش- داغ تو رویدش ز دل　　　تا چو بدیگرے دہد- باز بری بداوری

کہتا ہے کہ جسکے پہلو میں دل ہے اُسکے دل سے تیرا داغ رُوئیدگی کی طرح اُگتا ہے، اور یہ اسلئے کہ اگر وہ دل کسی اور سے لگالے تو تو اس حجّت سے- کہ تیری نشانی اُسپر موجود ہے- وہاں سے اپنی چیز یعنی دل واپس لے لے۔ داوری جھگڑا، منشاء اور حجّت۔

تصوف

رشکِ ملک چرا؟ چوں بتو رہ نمی برد　　　بیہدہ در ہوائے تو می پرد از سبکسری

یعنی ہم ملائکہ پر کیوں رشک کریں جبکہ وہ بھی بے فائدہ تیری تلاش میں پرواز کرتے پھرتے ہیں اور تجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔

شکایت

حیف کہ من بخوں تپم- وز تو سخن رود کہ تو　　　اشک بدیدہ بشمری، نالہ بسینہ بنگری

یعنی افسوس ہے کہ میں تو خون میں پڑا ہوا لوٹوں اور تیری نسبت یہ کہا جائے کہ تو آنسو آنکھ کے اندر گن لیتا ہے اور فریاد کو سینے کے اندر دیکھ لیتا ہے۔

نادانی

کوثر اگر بمن رسد خاک خورم ز بے نمی　　　طوبی اگر ز من شود ہیمہ کشم ز بے بری

یعنی میری شومیِ بخت کا یہ حال ہے کہ اگر کوثر مجھکو ملجائے تو اسمیں نمی باقی نہ رہے اور مجھے اُس خاک کے سوا کچھ حاصل نہو اور اگر طوبیٰ میری مِلک ہوجائے تو وہ ایسا بے بر ہوجائے کہ اُسکی لکڑی ایندھن کے کام آئے۔

حالت فکر شعر

بینیم از گداز دل در جگر آتشے چو سیل　　　غالب اگر دم سخن رہ بضمیر من بری

کہتا ہے کہ اگر فکر شعر کے وقت تو میری حالتِ درونی کو ٹٹولے تو دل کی گداز سے ایک آگ کی رو بہتی ہوئی تجھکو نظر آئے۔ یہ اُس جوش اور اُس آگ کا بیان ہے جو اہلی شاعروں کے دل میں شعر کہتے وقت بھڑکتی رہتی ہے۔

مرزا کی غزلیات- جو مقدار میں چار ہزار بیت سے کچھ زیادہ ہیں، اور جن میں منتخب اور برگزیدہ اشعار ایک چوتھائی سے کم نہونگے۔ اُنہیں سے کسی قدر اشعار- جو سرسری نظر میں صاف اور عمدہ معلوم ہوئے بطور نمونے کے یہاں نقل کردئے گئے ہیں، تاکہ جو لوگ فارسی شعر کا صحیح مذاق رکھتے ہیں- مگر اتنا دماغ نہیں رکھتے کہ مرزا کے کلام کو اوّل سے آخر تک بنظر غور دیکھیں- وہ مرزا کی غزل کا نمونہ دیکھکر اس بات کا اندازہ کرسکیں کہ مرزا کی غزل شعراے ایران کے کون سے طبقے کی غزل سے مناسبت رکھتی ہے؟ اور اُنکی اور مرزا کی غزل میں کیا نسبت پائی جاتی ہے؟ اگرچہ بمقتضاے مقام یہ تھا کہ اس موقع پر مرزا کی چند غزلوں کا موازنہ اُن سب لوگوں کی غزل کے ساتھ کیا جاتا جنکی غزل پر مرزا نے اپنی غزل بلکہ اپنی تمام شاعری کی بنیاد رکھی ہے؛ یعنی نظیری، عرفی، ظہوری، طالب، اسیر وغیرہ مگر چونکہ اس مختصر میں زیادہ گنجائش نہیں، اور نیز عام طبائع کو اس قسم کی تدقیقات سے کچھ دلبستگی بھی نہیں معلوم ہوتی اس لیئے یہاں مرزا کی صرف دو غزلوں کا مقابلہ نظیری اور ظہوری کی غزلوں سے- کہ اسوقت ان دونوں کے دیوان ہمارے پاس موجود ہیں- کیا جاتا ہے۔

نظیری کی جو مشہور غزل با خفتست اور بلا خفتست ہے مرزا صاحب نے بھی اسپر غزل لکھی ہے۔ نظیری کی غزل نو بیت کی ہے جسمیں سے ایک شعر پڑھا نہیں گیا اور مرزا کی غزل بارہ بیت کی ہے۔ اس لئے مرزا کی غزل میں سے بھی اول صرف آٹھ بیتیں یہاں لیجائینگی تاکہ ٹھیک ٹھیک موازنہ ہوسکے اور بعد موازنے کے مرزا کے باقی اشعار بھی نقل کردئے جائینگے۔

غالب	نظیری
بوادئے کہ دراں خضر را عصا خفتست	نظر بغا ہر و صیاد در خفا خفتست